

صوفیاء بر صغیر کا شاندار علمی، تبلیغی سیاسی و سماجی کردار اور مذہبی رواداری

ROLE OF SUBCONTINENT SUFIS IN RELIGIOUS TOLERANCE, POLITICAL, PREACHING AND EDUCATIONAL ACTIVITIES

* Shoaib Ali

**Dr. Muhammad Baqir Khan Khakwani

ABSTRACT

This article focuses on the Sufi saints' contributions to the spread of Islam over the Indian subcontinent in addition to reformation of people belonging to any religion whether muslims or non-muslims, teaching of tolerance, peace, harmony, compassion etc. They also ran a movement for purgation and repentance of Muslims also. The method of the Sufis in reforming and improving behavior and ethics of people was based on the teachings of love, wisdom, moderation, and humanity. Besides all, they played an active role in politics too. The Sufi saints' adaptable outlook was one of the key elements in the expansion of Islam over the Indian subcontinent. Islam was promoted as the most practical and simple faith to accept and follow. They never paused to adapt Islamic teachings to the customs and principles of the region. As a result, Sufi philosophy, writings, knowledge, and syncretic ideals have had a long-lasting influence on region. However, the Sufis adapted their message to the mentality and way of life in the region. The natives had a sense of resonance with their teachings as well. Thus, as a result of their strength of faith and belief, the purity of morals, the extreme asceticism and greedless life, the sympathy with God's people without discrimination of class, nation and religion, the love and respect for humanity not only established harmony among people of different religions but also illuminated subcontinent with the light of Islam.

Key words: Tasawwuf, Spirituality, reformation, love, mankind, respect

تعارف:

دوسری صدی ہجری میں علوم اسلامیہ کی مختلف شاخوں، علم تفسیر، علم حدیث، علم الفقہ، علم الکلام وغیرہ کے ساتھ علم تصوف کے بھی ایک علیحدہ علم کی حیثیت سے روشناس ہونے کے بعد یہ علم اور اس کے ماہرین صوفیاء کرام تمام عالم اسلام میں بقیہ علوم کے ماہرین کی طرح پھیل کر خدمت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ تمام عالم اسلام کے صوفیاء کرام نے اپنے اپنے علاقوں میں تبلیغ اسلام اور رشد و صلاح کے کارہائے

* Ph. D in Islamic Studies, NUML Islamabad.

** Professor, Chairman/ Dean F/O Social Sciences, Department of Islamic Studies, Al-Khair University, AJ&K.

نمایاں سرانجام دیئے۔ عالم عرب میں عراق، شام، مصر، مراکش، الجزائر، تونس وغیرہ میں اور عالم عجم میں ترکی، ایران، ایشیاء کوچک کے ممالک، افغانستان، برصغیر، برما، مشرق بعید اور یورپ کے ملک اندلس یا ہسپانیہ میں ان کے کارنامے قابل ذکر ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اندلس کے صوفیاء نے وہاں علمی مویشگافیوں اور تصوف کے نئے نئے نظریات اور فلسفے روشناس کرانے کے علاوہ کوئی تبلیغی، رشد و ہدایت یا عوام الناس کی اصلاح کے لیے کوئی خاطر خواہ یا قابل ذکر کام نہیں کیا۔ آٹھ سو سال تک طاقت اور قوت کی وجہ سے صرف وہاں کے مشہور شہروں میں مسلمان اکثریت میں ہوتے تھے اور باقی تمام ملک میں صوفیاء کرام کی تبلیغی سرگرمیاں نہ ہونے کی وجہ سے کل آبادی عیسائی حضرات کی ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آٹھ سو سال کے بعد جب وہاں مسلم حکومتوں کا خاتمہ ہوا تو شہری آبادی سے چند لاکھ مسلمان موجود تھے۔ باقی تمام اندلس میں عیسائی اکثریت تھی۔ یہ بات استاد محترم ڈاکٹر محمود احمد غازی (م ۲۰۱۰) نے اندلس کے دورے کے بعد ایک نجی محفل میں واضح کی اور تاریخ اندلس بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔

اندلس کی صوفیاء کے برعکس برصغیر کے صوفیاء کرام کے تمام سلاسل نے یہاں علمی مویشگافیوں اور نئے فلسفہ کی دریافت کے بجائے بلا تفریق رنگ و نسل نوع انسانی کی خدمت، اسلامی حکومت کے بنیادوں کی مضبوطی، تبلیغ دین اور رشد و ہدایت کی طرف اپنی پوری توجہ مرکوز کی اور دین کی دعوت کو نامساعد اور کٹھن ترین حالات میں بھی برصغیر کے تمام علاقوں میں پہنچایا۔ ان کی مساعی کی بدولت دو سو سال سے اس خطہ میں غلبہ اسلام کے خاتمے کے باوجود اب بھی تین اسلامی سلطنتیں چاہے وہ برائے نام ہیں لیکن موجود ہیں اور کون سا ایسا علاقہ ہے جہاں مسلمان کثیر یا قلیل تعداد میں موجود نہ ہوں۔ یہاں کے صوفیاء کرام نے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے شہر، قصبات، گاؤں بستیاں اور ہر زیادہ یا کم آباد علاقہ کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کا مرکز بنانے کی بھرپور نہیں بلکہ بھرپور ترین کوشش کی اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اب صوفیاء برصغیر کے کثیر الجہاتی مساعی کا جائزہ لیا جائے گا۔

۱۔ صوفیاء کی تبلیغی سرگرمیوں کا اصل ہدف:

صوفیاء کرام نے برصغیر میں بنی نوع انسان کی خدمت، اسلامی حکومت کو مضبوط کرنا، تبلیغ دین اور عوام الناس کی رشد و ہدایت کے لیے متعدد طریقے اختیار کیے۔ یہ طریقے زمانہ اور علاقہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے تھے۔ دارالکفر میں طریقہ اور ہوتا تھا، دارالصلح میں مختلف طریقہ اور دارالاسلام کا انداز اور ہوتا تھا۔ یہ تمام انداز اسلامی شریعت کے مطابق ہوتے تھے۔ برصغیر کی اسلامی حکومت کی اصلاح اور اُس کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کر کے کبھی رشد و ہدایت کا لامرکزی نظام قائم کیا، کبھی باقاعدہ تبلیغی نظام کو رواج دیا، بعض نے مدارس کے نظام کو ترویج دیا، متعدد نے مناظرانہ انداز بھی اختیار کیا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

برصغیر میں اسلام زیادہ تر صوفیاء کرام نے پھیلایا، لیکن ان کا مطمح نظر اور طریق کار دور حاضر کے مدارس، سیاسی مذہبی جماعتیں، مشنریوں اور مبلغوں سے بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو فقط غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے لیے وقف نہ کر رکھا تھا بلکہ تبدیلی مذہب تو شاید ان کا مقصد اولین ہی نہ تھا۔ ان کے دروازے ہر ایک کے لیے خواہ وہ ہندو ہو، یا مسلمان امیر ہو یا غریب، کھلے تھے اور ان کا کام ہر ایک میں بلا کسی تفریق کے ”ارشاد و ہدایت“ تھا۔ ایک ہندو کے قبول اسلام سے انہیں جتنی خوشی ہوتی تھی، شاید اس سے زیادہ ایک مسلمان کے

ترک گناہ سے ہوتی تھی۔^(۱) صوفیاء کے اس جامع نقطہ نظر کو مشہور کتاب سلسلہ الذہب کے مصنف شیخ محمد نور بخش نے ایک مشہور سہروردی بزرگ (شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) کا ذکر کرتے ہوئے خوب واضح کیا ہے اور ان کی نسبت لکھا ہے:

”لوگوں کی ارشاد و ہدایت میں کفر سے ایمان کی طرف، گناہ سے عبادت کی طرف، نفسیات سے روحانیت کی طرف،

ان کا بڑا مرتبہ تھا۔“

مشائخ کبار کے سامنے یہی مطمح نظر تھا جو سلسلہ الذہب کے بیان کے مطابق شیخ بہاء الدین کا تھا۔ وہ ہر ایک کو خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان ایک بلند تر روحانی زندگی کا پیغام دیتے اور اس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ کفار اسلام کی طرف راغب ہوتے اور عام مسلمان ایک پاک اور بے عیب زندگی کی طرف لوٹ آتا۔^(۲) اسی طرح حضرت نظام الدین خواجہ نے بھی تجدید ایمان اور توبہ عام کی تحریک چلائی۔ لاکھوں بندگان خدا نے غفلت، خدا فراموشی، نفس پرستی، بد کرداری اور منکرات و شہوات سے توبہ کی اور اللہ اور رسول کی اطاعت کا آپ سے معاہدہ کیا۔ آپ بیعت کے وقت انہیں اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرنے اور شریعت کے راستے اور طریقے پر قائم رہنے کی وصیت کرتے۔ چنانچہ بیعت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد اس اقرار و عہد کی لاج رکھتی تھی اور اس طرح یہ بیعت تجدید و ایمان اور انقلاب حال کا ذریعہ بن جاتی تھی۔^(۳)

ب۔ تبلیغ کا مرکزی نظام:

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ برصغیر میں ابتدائی طور پر مشائخ چشت کی خانقاہیں اسلامی جہد و جہاد کا مرکز بنی رہیں۔ یہ خانقاہیں تقویٰ، دین، خدمت خلق، توکل اور روحانی علوم حاصل کرنے کی یونیورسٹیاں تھیں۔ ان خانقاہوں میں طالب علم کو ایسی فضاء اور ایسا ماحول میسر آ جاتا تھا کہ وہاں اصلاح انسانی، تزکیہ باطن اور تہذیب نفوس کے لیے خود بخود انسانی ذہن متوجہ ہو جاتا تھا۔^(۴)

ہندوستان میں ابتدائی طور پر اسلام کی عمومی اشاعت کا سہرا حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجیری ہی کے سر ہے۔ آپ کی ذات، اخلاق اور روحانیت اور شریعت اور طریقت کی جامع تھی۔ لہذا اجیر نے ایک اسلامی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی۔ آپ نے دیگر صوفی بزرگوں کی طرح لامرکزی نظام قائم کیا۔ مرکز تبلیغ اجیر سے ہر مبلغ یا ہر تبلیغی سینٹر کو باقاعدہ ہدایت دینے، رپورٹیں وصول کرنے اور باہم بیٹھ کر کام کر آگے بڑھانے کی تدبیریں سوچنے اور اسکیمیں بنانے کا کوئی نظم نہیں تھا اور یہ اس دور میں اگر ناممکن نہ تھا تو آج کے دور کی طرح آسان بھی نہیں تھا۔ ہر دور کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ان کو پیش نظر رکھ کر ہی ہر دور کے داعیان حق نے تدابیر اختیار کی ہیں۔ شخصی اور استبدادی حکومتوں میں لامرکزی نظام ہی مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ کیا کہ اپنے مریدوں میں جس کو مناسب خیال کیا اور یہ سمجھا کہ یہ تکمیل کے مدارج طے کر چکا ہے، اس کے سینے میں اشاعت دین کے جذبات کی بھٹی اچھی طرح دکھنے لگی ہے اسے خلافت سے سرفراز کیا اور کسی خاص علاقہ میں متعین کر دیا کہ جاؤ اشاعت حق کا فریضہ انجام دو اور زندگی بھر اپنے مشن میں سرگرم رہو، چنانچہ صوفیاء کرام کے خلفاء نے اپنے مرشد کے اشاروں پر اپنی زندگیاں اپنے نصب العین کے لیے وقف کر دیں اور پھر چراغ سے چراغ یوں نہی جلتا رہا، خلفاء کے خلفاء نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے بھی اپنے خلفاء کو مختلف مقامات پر متعین فرمایا۔ مثلاً خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو آپ نے دہلی میں متعین فرمایا انہوں نے وہاں یہ نظام جاری رکھا حضرت بختیار کاکی کے بعد اس لامرکزی نظام میں حصول علم کا مرکز حضرت بابا فرید گنج شکر تھے۔

لیکن اس تعلیم کو حسن و خوبی اور منظم جدوجہد کے تحت حضرت بابا نظام الدین اولیاء نے معراج کمال تک پہنچا دیا۔ پچاس سال تک یہ خانقاہیں ارشاد و تلقین کا مرکز بنی رہی۔ ملک ملک سے لوگ پروانہ وار آتے تھے اور ان کی خدمت میں حاضر باش رہ کر عشق الہی اور دین اسلام کو لوگوں تک پہنچانے کا جذبہ لے کر رخصت ہوتے تھے۔ ان خانقاہوں کا دروازہ مسلم و کافر، امیر و غریب، شہری دیہاتی، بوڑھے جوان اور بچوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔^(۵)

ج۔ تبلیغ کا باقاعدہ مرکزی نظام:

اس سلسلہ تبلیغ اسلام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کے چوتھے سالار حضرت خواجہ نظام الدین نے حالات کے مطابق نئے طریقے اختیار کیے۔ انہوں نے باہمت مبلغین اور خلفاء کی باقاعدہ تربیت کا بھی اہتمام فرمایا جن میں مولانا شمس الدین یحییٰ، شیخ نصیر الدین محمود، شیخ قطب الدین منور ہانسوی، شیخ حسام الدین ملتانی، مولانا فخر الدین زراوی، مولانا علامہ الدین فیلی مولانا برہان الدین غریب، مولانا یوسف چندیری، مولانا سراج انجی سراج اور مولانا شہاب الدین خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے۔ آپ نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو خلافت خاص عطا فرمائی جنہوں نے نہایت نامساعد حالات میں بھی رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ پھر اسی چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند میں نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی گرمی سے تپا دیا، میری مراد سید محمد گیسو دراز سے ہے۔ اس طرح دہلی کے علاوہ ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنؤ، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور مانک پور اور سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں اور صدیوں تک علم و معرفت اور عشق و اخلاص کی شمعیں روشن رہی۔^(۶)

حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے جلیل القدر خلیفہ برہان الدین کو چار سو ساتھیوں کے ساتھ تعلیم دے کر تبلیغ اسلام کے لیے دکن روانہ کیا۔ خلیفہ برہان الدین نے اپنے ساتھیوں سے مل کر دکن کو اسلامی، دینی اور روحانی علم سے فیض کیا۔^(۷)

د۔ مدارس کے ذریعہ تبلیغی انداز:

سہروردیہ سلسلہ کے معروف بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی تبلیغی کوششوں کا اپنا ایک الگ نہج تھا۔ اس منظم روحانی تحریک کے ذریعے سندھ، ملتان اور بلوچستان کے علاقوں میں ہزاروں افراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ روحانی تعلق قائم کرنے میں کامیاب ہوئے اور بے شمار خواتین و حضرات حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت زکریا ملتانی نے ایک اعلیٰ درجہ کا قائم کی تھی۔ اس درس گاہ میں بہت اچھے مشاہرہ پر اساتذہ کا تقرر کیا گیا تھا۔ طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے لیے بہترین ہوٹل تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا احساس پیدا کرنا اس درس گاہ کی پالیسی تھی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد جو شخص جس علاقے میں اصلاح الناس کے فرائض انجام دینے کی درخواست کرتا، اس علاقے کی زبان و ثقافت کی تعلیم کا بندوبست کر دیا جاتا۔ اس غرض کے لیے اسے دو برس مزید ٹریننگ دی جاتی تھی۔ دو برس بعد معلمین کو مناسب سرمایہ فراہم کر دیا جاتا تھا تاکہ معلم اس سرمایہ سے کاروبار کرے اور کاروبار کے ساتھ تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔ حضرت زکریا ملتانی اساتذہ کو یہ ہدایت فرماتے تھے:

”سامان کم منافع پر فروخت کرنا لین دین میں سرور کائنات حضرت محمدؐ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا۔ ناقص اشیاء فروخت نہ کرنا، خریداروں سے خندہ پیشانی نہ پیش آنا۔ جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو اسلام کی تعلیمات پیش نہ کرنا“ اس کے بعد آپ دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتے تھے۔^(۸)

ھ۔ فلاحی خدمات کے ذریعہ تبلیغی انداز:

حضرت زکریا ملتانی مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تربیت کا الگ الگ اہتمام فرماتے تھے۔ یہ روحانی تحریک Scientific اور اس دور کے مطابق جدید خطوط پر استوار تھی، قدرت نے حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو فلاحی ذہن عطا کیا تھا۔ آپ نے جنگلوں کو آباد کروایا۔ کنویں کھدوائے، نہریں تعمیر کروائیں اور زراعت پر بھرپور توجہ دی۔ انہیں ہر وقت عوام کی خوش حالی کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت ان کے لیے سرمایہ آخرت تھی۔

آپ عوام الناس کے خادم تھے اور عوام آپ سے محبت کرتے تھے۔ یہی حسن اخلاق اور محبت تھی کہ لوگ جوق در جوق مراقبوں میں شریک ہوتے تھے۔ لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے عرفان کے لیے ایمانداری اور خلوص نیت کو زندگی کا معیار بنالیا تھا۔ روح کی تقویت کے لیے درود شریف اور اذکار کی محفلیں سبقتی تھی لوگ خود غرضی اور خود پرستی کے ہولناک عذاب سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کرتے تھے۔^(۹)

و۔ مناظرانہ تبلیغی انداز:

بر صغیر کے صوفیاء کرام نے جو اپنے دور کے چوٹی کے علماء، قرآن، حدیث، علم الکلام، تاریخ اسلام، مزید علوم اسلامیہ اور علوم متداولہ کے ماہر بھی شمار ہوتے تھے۔ تبلیغ اسلام کا فریضہ علمی مناظروں کے ذریعہ بھی انجام دیا۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بہت اہم ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین کے خلیفہ مجاز حضرت خواجہ گیسو دراز فرماتے ہیں کئی ایک مرتبہ ہندومت کے علماء اور درویش (یعنی پنڈن اور یوگی) میرے پاس دعوے اور بحث کے لیے آئے۔ طے یہ پایا کہ جو بحث میں کامیاب ہو دوسرا اس کی بات مان لے اور اس کی متابعت کرے یعنی اُس کا دین قبول کرے گا۔ چنانچہ اس بات پر قول و اقرار ہو گیا۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ اپنی بات شروع کریں۔ انہوں نے کہا نہیں تم کرو۔ میں نے ان کی سنسکرت کی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور ان کی روایات کو جانتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان سے ہندومت، ان کی کتاب روایات اور ان کی تاریخ کے بارے میں شروع سے لے کر آخر تک باتیں کہیں اور انہوں نے ان سب باتوں کو دل و جان سے قبول کیا اور کہا کہ واقعی جو تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ پھر میں نے اپنے مذہب کا بیان شروع کیا اور پھر اسلام اور ہندومت دونوں کا موازنہ کر کے اپنے مذہب کو ترجیح دی۔ اس پر وہ حیران رہ گئے۔ شور و غوغا کرنے لگے۔ جس طرح بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہیں، اسی طرح میرے سامنے اظہار عقیدت کیا۔ میں نے کہا یہ سب بیکار ہے۔ تمہارے اور میرے درمیان معاہدہ ہے کہ جس کی بات سچی ہو دوسرا اس کی پیروی کرے اور اس کے راستے پر چلے۔ لیکن کوئی کہنے لگا میری بیوی اور بچے اور خاندان کے لوگ ہیں (ان کو کیسے چھوڑ دوں؟) کسی نے کہا کیا کروں جو کچھ ہو اسو ہوا۔ ہمارے بزرگ اس راستے پر چلے تھے جو ان کے لیے ٹھیک تھا وہی ہمارے لیے بھی ٹھیک ہے۔ پھر سامانہ کے ایک ہندو کا تذکرہ کیا ہے جس کے ساتھ اسی طرح قول و قرار ہوا تھا کہ جو مباحثہ

میں دوسرے کا قائل ہو جائے، وہ اس کا مذہب قبول کرے حضرت گیسو دراز نے اپنے روحانی تصرفات کے زور سے اسے قائل کر لیا لیکن جب اس سے کہا گیا کہ اب معاہدے کی رو سے تمہیں مسلمان ہو جانا چاہیے تو وہ کہنے لگا کہ میں نے نئی نئی شادی کی ہے۔ سامانہ جاتا ہوں اور اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ لیکن وہ ایسا گیا کہ پھر نہ آیا۔^(۱۰)

ز۔ اسیری میں تبلیغی انداز:

ڈاکٹر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب Preching of Islm میں لکھتا ہے:

”شہنشاہ جہاں گیر کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے (حضرت مجدد الف ثانی) جو شیعہ عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے۔ شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانے سے انہیں قید کر دیا دو برس قید میں رہے اور اس مدت میں انہوں نے اپنے رفقاء زنداں میں سے سینکڑوں بت پرستوں کو حلقہ گوش اسلام بنالیا۔“^(۱۱)

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایٹھکس میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے کہ: قید کر لیے گئے تھے ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سوبت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔“^(۱۲)

صوفیاء برصغیر کا اشاعت اسلام میں قابل فخر کردار:

آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک کا برصغیر میں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے تبدیل ہو گئی ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے۔ جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرہ بی اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

آپ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اندھیرے میں اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق، صاف ستھری زاہدانہ زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی اور بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں سے محبت اور انسانیت کا احترام یہ وہ بلند ترین صفات تھیں جنہوں نے دشمنوں کو بھی دوست بنایا۔^(۱۳)

مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ دین کے شوق میں سرگرم رہی ہے وہ یہی صوفیائے کرام کی جماعت ہے۔ برصغیر میں اولیاء و صوفیاء نے جس بے نظیر استقلال اور دینی شغف کے ساتھ اسلام کی روشنیوں کو پھیلا یا ہے وہ اپنے اندر ایک عمیق درس بصیرت رکھتا ہے۔ یہاں کے سب سے بڑے اسلامی مبلغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین تمام اقطاع ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی کے اطراف حضرت فرید الدین گنج شکر نے علاقہ پنجاب میں، حضرت نظام الدین محبوب الہی نے دہلی اور اس کے نواح میں حضرت سید محمد گیسو دراز، حضرت شیخ برہان الدین اور حضرت شیخ زین الدین اور آخر زمانہ میں (اورنگ آباد کے) حضرت نظام الدین نے ملک دکن میں اور دور آخر میں حضرت شاہ کلیم اللہ آبادی نے دہلی مرحوم میں یہی دعوت الی الخیر اور تبلیغ اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔ ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے اولیائے عظام نے بھی اس کام میں انتھک مستعدی سے کام لیا۔

پنجاب میں سب سے پہلے اسلامی مبلغ حضرت سید اسماعیل بخاری تھے جو پانچویں صدی ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ لوگ ہزار ہا کی تعداد میں ان کے ارشادات سننے آتے تھے اور کوئی شخص جو ایک مرتبہ ان کا واعظ سن لیتا اور اسلام لائے بغیر نہ رہتا۔ مغربی پنجاب میں اسلام کی اشاعت کا سہرا سب سے زیادہ حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی کو حاصل ہے۔ علاقہ بہاولپور اور مشرقی سندھ میں حضرت سید جلال بخاری کے فیضانِ تعلیم سے معرفت حق کی روشنی پھیلی اور ان کی اولاد میں سے حضرت مخدوم جہانیاں نے پنجاب کے بیسیوں قبائل کو مسلمان کیا۔ ایک اور بزرگ حضرت سید صدر الدین اور ان کے صاحبزادے حضرت سید کبیر الدین بھی پنجاب کے بہت بڑے اسلامی مبلغ تھے۔ حضرت حسن کبیر الدین کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے کہ ان کی شخصیت میں عجب کشش تھی۔ محض ان سے دیکھ لینے سے دل پر اسلام کی عظمت و صداقت کا نقش مرتسم ہو جاتا تھا اور لوگ خود بخود ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

سندھ میں اشاعتِ اسلام کا اصلی زمانہ وہ ہے جب حکومت کا دور ختم ہو چکا تھا۔ آج سے تقریباً چھ سو برس پہلے حضرت سید یوسف الدین وہاں تشریف لائے اور ان کے فیض سے لوہانہ ذات کے سات سو خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کچھ اور گجرات میں حضرت امام شاہ پیر انوی اور ملک عبد الطیف کی مساعی سے اسلام کی اشاعت ہوئی۔ بنگال میں سب سے پہلے شیخ جلال الدین تبریزی نے اس مقدس فرض کو انجام دیا تھا جو حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدان خاص میں سے تھے۔ آسام میں اس نعمتِ عظمیٰ کو حضرت شیخ جلال الدین فارسی اپنے ساتھ لے گئے جو سلہٹ میں مدفون ہیں۔ کشمیر میں اسلام کا علم سب سے پہلے بلبل شاہ نامی ایک درویش نے بلند کیا اور ان کے فیضانِ صحبت سے خود راجہ مسلمان ہو گیا جو تاریخوں میں صدر الدین کے نام سے مشہور ہے۔ پھر ساتویں صدی ہجری میں سید علی ہمدانی سات سو سیدوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے اور تمام خطی کشمیر میں اس مقدس جماعت نے اس نورِ عرفان کو پھیلا دیا۔ حضرت عالمگیر کے عہد میں شاہ فرید الدین نے کشتور کے راجہ کو مسلمان کیا اور اس کے ذریعہ علاقہ مذکور میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ دکن میں اسلام کو ابتدا پیر مہابیر کھمڈایت سے ہوئی جو آج سے سات سو پہلے بیجاپور تشریف لائے تھے اور ایک بزرگ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے علاقہ کو نکلن کے ہادی اور رہبر تھے۔ وہاؤڑ کے لوگ اپنے اسلام کو حضرت شیخ ہاشم گجراتی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو ابراہیم عادل کے پیر طریقت تھے۔ ناسک میں حضرت محمد صادق سرمست اور خواجہ اخواند میر حسینی برکات روحانی کا اب تک اعتراف کیا جاتا ہے۔ مدارس بھی اپنی ہدایت کے لیے چند صاحبِ حال بزرگوں کا رہن منت ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور سید نثار شاہ مدفون ترچنپلی ہیں۔ دوسرے بزرگ سید ابراہیم شہید ہیں جن کا مزار ارداری میں ہے اور تیسرے بزرگ شاہ الحامد ہیں جن کا مدفون ناگور میں واقع ہے۔ نیوگنڈا کی طرف اسلامی آبادی عام طور پر اپنے اسلام کو حضرت بابا فخر الدین کی طرف منسوب کرتی ہے جنہوں نے وہاں کے راجہ کو مسلمان کیا تھا۔^(۱۴)

صوفیاء بر صغیر کا عظیم سیاسی کردار:

سیاست بھی دین اسلام کا حصہ اور علوم اسلامیہ کی ایک شاخ ہے۔ اس کو علم سیاسیات کہتے ہیں۔ صوفیاء کرام جہاں باقی علوم اسلامیہ کے ماہر تھے وہیں وہ علم سیاسیات میں بھی گہرائی اور گیرائی کے حامل تھے۔ سیاست کے اہم موضوع درج ذیل ہیں:

☆ نیک حکمرانوں کی تخت نشینی کے لیے کوشش کرنا۔

- ☆ حکمرانوں کو وعظ و نصیحت کرنا۔
 - ☆ ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنا۔
 - ☆ حکمرانوں کے ساتھ بھلائی کے امور میں تعاون کرنا۔
 - ☆ عوام کے مسائل کو حکمرانوں سے حل کرانے کے لیے کوششیں کرنا۔
 - ☆ اسلامی سلطنت کی توسیع کے لیے حکومت کی مدد کرنا۔
 - ☆ حکومت کو فلاحی ریاست بنانے کے لیے مختلف منصوبے پیش کرنا۔
 - ☆ اسلامی حکومت کو قائم و دائم رکھنے اور اس کے خلاف سازشوں کو ناکام کرنے کی کوشش کرنا وغیرہ۔^(۱۵)
- برصغیر کے صوفیاء کرام نے سیاست کے ان تمام امور میں بھرپور دلچسپی لی اور مختلف ادوار میں ان تمام امور سے متعلق اسلامی شریعت کی روشنی میں جامع کردار ادا کیا جن کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ صوفیاء کے سیاسی کردار کی حقیقت:

معروف صوفی اور معرکۃ الآراء کتب کے مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی ایک خط میں لکھتے ہیں کہ تصوف کے نقطہ نظر سے دین کے دو بازو ہیں التعظیم لامر اللہ اور الشفقت علی خلق اللہ تعالیٰ کے احکام کی عزت کرنا اور اس کی مخلوق سے شفقت کا برتاؤ کرنا ان دونوں کی وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”التعظیم لامر اللہ کا مقام بہت اعلیٰ ہے، اسلام کا کلمہ بلند کرنا، دین و ملت کی تائید و مدد کرنا، اس کو مضبوط و مستحکم کرنا ایسی شان اور ایسا مرتبہ ہے جو سب مرتبوں سے بالا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بارگاہ نبوت اور درگاہ نبوت میں قبولیت کا کوئی کام ہو سکتا ہے تو یہی وہ صفت ہے۔ اس سے بلند تر کوئی صفت نہیں۔ دین کی تقویت، سنت کی ترویج، اس کی تائید میں کوشش کرنا، انتہائی کوشش اس کام میں صرف کرنا، خود کو اس میں کھپا دینا، اس میدان میں جہاں لشکر کا پڑاؤ ہے اس میں خود کو شریک کرنا، گنتی میں اضافہ کرنا صوفیاء کا فرض ہے۔“^(۱۶)

ب۔ حکمرانوں کی تبدیلی میں صوفیاء کا سیاسی کردار:

”شہنشاہ ہندوستان محمد تغلق کی وفات کے وقت جانشینی کے مسئلہ میں حضرت نظام الدین اولیاء اللہ کے خلیفہ مجاز حضرات چراغ دہلی نے بھرپور سیاسی کردار ادا کیا۔ آپ تمام امیدواران تخت میں سے فیروز تغلق جو شہنشاہ کا چچا زاد بھائی تھا کی حمایت کر رہے تھے اور اس کے لیے کوشش بھی کر رہے تھے۔ ان مساعی کے دوران حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے خلق سے مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف کرو گے۔ ورنہ ان بیکس بندگان خدا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ ”میں خلقت خدا کے ساتھ حلم و بردباری کروں گا اور اتفاق و محبت سے ان پر حکمرانی کروں گا۔“

حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر تم خلق خدا کے ساتھ خلق و مروت کرو گے تو ہم نے بھی تمہارے لیے خدا سے حکومت طلب کی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ فیروز تغلق کے زمانے میں اسلام کو جو فروغ ہوا اور خلق خدا کی آسائش کا انتظام ہوا، ان سے عدل و انصاف اور حلم و مروت کا سلوک ہوا اس میں آپ کا جنہوں نے فیروز تغلق کی تخت نشینی میں مدد دی تھی اور بہت سے کڑے طریقے سے عدل و انصاف کے وعدے لیے تھے کوئی حصہ نہ تھا۔^(۱۷)

اسی طرح سلسلہ قادریہ کے عظیم بزرگ حضرت باقی باللہ جو مجدد الف ثانی کے پیرو مرشد ہیں، کے مکتوبات و ملفوظات کے مطالعہ سے جو تصویر سامنے آتی ہے اس میں صوفیاء کرام کے سیاسی کردار کے بارے میں اصولی سختی اور حکیمانہ نرمی کا امتزاج بڑا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ امراء صوفیہ، علماء، طلباء، سپاہی، تاجر سب کو انہوں نے موقع اور مصلحت کے مطابق ہدایتیں کیں اور اس انداز میں کیں کہ جس نے ان کی باتیں سنی گناہوں سے اکتا گیا۔ آپ کی مشہور روایت ہے کہ:

اگر ہم پیری مریدی کریں تو اس زمانہ میں کسی بھی مرشد کو مرید نہ ملے لیکن ہم کو دوسرا کام سونپا گیا ہے کہ مسلمانوں کی ظلم کی برائی سے حفاظت کریں۔ دین کے واسطے سے بادشاہوں کے قریب ہوں اور ان کے دل و نگاہ کی تسخیر کریں اور اس عمل کا مقصود مسلمانوں کی بلندی و ترقی ہے۔^(۱۸)

آپ نے اس اصول پر نہ صرف عمل کیا بلکہ لوگوں کو بھی عہد اکبری کے بڑے بڑے سردار اور امراء میں شامل کرایا۔ نواب مرتضیٰ خان جس کی مدد سے جہاں گیر تخت نشین ہوا، حضرت خواجہ کا بڑا معتقد تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کے عقیدت مندوں میں بخشی الملک شیخ فرید خلیج خاں حاکم پنجاب، مرزا کو کہ امیر الامراء، مرزا عبدالرحیم خان خانان سپہ سالار دکن، صدکن، جہاں صدر الصدور اور ابو الفضل کے بہنوئی خواجہ حسان الدین شامل ہو گئے تھے۔ اس طرح آپ کی بروقت کوششوں سے مسلم تہذیب و تمدن کو بنانے کے لیے جدوجہد کا آغاز ہو گیا اور آپ نے آپ اپنے سیاسی کردار کے ذریعہ منتشر اور پر آگندہ قوتوں کو یکجا جمع کر دیا۔^(۱۹)

ج۔ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا سیاسی کردار:

برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے زمانے میں ناصر الدین قباچہ جو برصغیر کے حکمران سلطان محمد غوری کا غلام تھا، ملتان کا گورنر تھا۔ سلطان قطب الدین ایک کی وفات تک تو وہ بادشاہ دہلی کا وفادار صوبیدار بن رہا۔ لیکن غوری کی موت کے بعد جب اس کا غلام التتمش بادشاہ ہوا تو قباچہ نے بھی خود مختاری کا ارادہ کیا۔ شیخ بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین قاضی ملتان نے خط لکھ کر التتمش کو اس کے منصوبوں کی اطلاع دینی چاہی۔ قضا دونوں کے خط قباچہ کے ہاتھ جا گئے۔ قاضی کو تو اس نے فوراً قتل کر دیا اور شیخ سے باز پرس شروع ہوئی۔ شیخ نے صاف کہا کہ یہ خط میں نے لکھا ہے اور ارشاد الہی کے مطابق لکھا ہے۔ تمہاری کوششوں سے سوائے مسلمانوں کا خون بہنے کے اور کچھ نہ ہو گا۔ شیخ کا ملتان میں اتنا اثر تھا کہ ناصر الدین قباچہ کو انہیں آزار پہنچانے کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے التتمش کے خلاف بغاوت کی اور التتمش اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کہ وہ دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا اور اس کی جگہ ایک نیا صوبیدار مقرر ہوا۔^(۲۰)

د۔ حکمرانوں کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کر کے ان کو پسند و نصائح کا سیاسی کردار:

ہندوستان کے معروف مورخ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں قطب الدین ایبک کے دور کے ایک صوفی بزرگ شیخ نور الدین مبارک سے ایک طویل وعظ منسوب کیا ہے، جس میں اس دور کے صوفیاء کے سیاسی انداز فکر پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ وعظ سلطان شمس الدین التمش کی مجلس میں کیا گیا اور اس میں بادشاہوں کے فرائض کا تفصیلی ذکر ہے۔ شیخ نور الدین سید مبارک غزنوی نے کہا کہ بادشاہوں کے جو طور طریقے ہیں ”جس طریقے سے وہ کھاتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں، جو کپڑے پہنتے ہیں۔ جس طرح وہ اٹھتے بیٹھتے اور سواری کرتے ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر لوگوں کو اپنے سامنے بٹھاتے اور سجدے کراتے ہیں۔ خدا کے باغی قدیم ایرانی (اکاسرہ) حکمرانوں کے مراسم کی رعایت کرتے ہیں۔“ یہ دین مصطفیٰ کے خلاف ہیں۔ بادشاہوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلام کے لیے ”دین پناہ“ بنیں اور اس کے چار لوازمات ہیں۔ اول یہ کہ وہ اسلام کی محبت کو برقرار رکھیں اور اپنے زور و قوت کو اعلائے کلمۃ الحق اور شعار اسلام کو بلند کرنے اور امر بالمعروف و نہی منکر میں صرف کریں۔ دوسرے ان پر فرض ہے کہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان فسق و فجور اور گناہ و معصیت کو قہر و سطوط کے ذریعے بالکل ختم کر دیں۔ تیسرے یہ کہ احکام دین محمدی کے اجراء کے لیے صرف اہل تقویٰ، زہد، خداترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں اور بددیانت، دنیا پرست لوگوں کے ہاتھ میں اختیار نہ دیا جائے۔ چوتھی ضرورت عدل و انصاف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے اور ظلم و تعدی اس کے ملک میں بالکل نہ ہو۔^(۲۱)

سید نور الدین مبارک غزنوی کی وفات التمش کی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے ستمبر ۱۲۳۴ء میں ہوئی۔ دہلی شہر کے حوض شمسی کے مشرق میں دفن ہوئے۔^(۲۲)

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن الدین کے بارے میں مرقوم ہے کہ مخلوق خدا کی خدمت کا جذبہ آپ کے دل میں موجزن رہتا تھا اور سلاطین دہلی آپ سے بے حد متاثر تھے اور مخلصانہ عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ آپ کی طاقت تمام طاقتوں پر غالب تھی۔ آپ کے مقابلہ کی تاب کسی میں بھی نہ تھی۔ آپ نے غرباء مساکین کی اعانت کے سلسلے میں ملتان سے دہلی کا سفر کئی بار اختیار کیا اور ایک مخلوق خدا کو اپنے فیض سے مستفیض فرمایا۔ آپ کے حسن کردار اور اخلاق و محبت اور سلطان سے اثر و رسوخ کا نتیجہ تھا کہ اس دور میں اجناس بہت زیادہ ارزاں ہو گئی تھیں اور ہر چیز کم نرخوں پر فروخت ہونے لگی، گندم کا بھاء آٹھ آنے سے زائد نہ تھا۔ سلطان کو حضرت کے فیض نظر سے اپنی رعایا سے انس ہو گیا تھا اور اب وہ بھی ہر آڑے وقت میں کام آتا تھا۔

آپ کے حکیمانہ پسند و نصح کی وجہ سے جس قدر تخت دہلی کے وارث گزرے ہیں آپ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور احترام سے پیش آتے تھے، کبھی ایسا موقع پیش نہیں آیا کہ کسی بادشاہ نے آپ کے ساتھ سختی برتی ہو یا بدسلوکی اختیار کی ہو، یا بد اخلاقی کے ساتھ پیش آیا ہو۔ آپ کا معمول تھا کہ جب بھی دہلی تشریف لے جاتے تو اس بات کا ضروری خیال رکھتے تھے کہ عوام سے رابطہ قائم رہے کیونکہ عوام کی عرضیاں سلطان تک پہنچانی ہوتی تھیں اور آپ اپنی پاکی کو عرضیوں کی خاطر کھلا رکھتے تھے۔

علاء الدین خلجی کے بعد قطب الدین نے بھی اس طرح آپ کا احترام کیا اور آپ کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا۔ محمد تغلق کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے بعد فروز تغلق نے بھی آپ کا انتہائی احترام کیا اور ہمیشہ مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتا یا خط و کتابت کے ذریعہ مشورہ لیتا۔^(۲۲)

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدین کے مراسم خوشگوار ہے۔ ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آ رہا تھا تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے۔ رات کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرما رہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں بیٹھے وہ کھانا کھا رہے ہیں وہ اچانک گر جائے گی۔ اس لیے کھانا چھوڑ کر باہر چلے گئے اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لیے فرمایا مگر اس نے نکلنے میں دیر کی۔ اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا۔^(۲۳)

ھ۔ حکمرانوں کی فلاحی امداد کا سیاسی کردار:

مشہور سہروردی بزرگ حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کی رشد و ہدایت کا فیضان عوام و خواص دونوں کے لیے تھا اور وہ دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکات سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے مگر خلق کی خاطر شاہی احکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس ڈھیر میں سے نقرئی ٹکے سات توڑے بھی نکلے۔ والی ملتان نے حضرت شیخ کو اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بچھا۔^(۲۴)

و۔ حکمرانوں سے عوام کے لیے امن طلب کرنے کا سیاسی کردار:

اسی طرح نقل ہے کہ جب ۱۲۵۷ء میں منگول ملتان میں داخل ہو گئے اور برج اور مورچے گرا کر شہر میں قتل و غارت شروع کرنے کو تھے تو حضرت مخدوم العالم شیخ بہاء الدین زکریا ایک لاکھ درہم نقد لے کر پہنچے اور مغلوں کو یہ رقم ادا کر کے شہر کو ان کی تباہی سے بچایا۔ شہنشاہ فیروز شاہ تغلق اچ شریف کے مشہور سہروردی بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ٹھٹھ سندھ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے اس شہر کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس شہر کے لوگ دوسری مرتبہ بغاوت کر رہے تھے۔ لہذا وہ انہیں سخت ترین سزا دینا چاہتا تھا اور اس کا دل ان کے خلاف غصے اور جوش انتقام سے بھرا ہوا تھا لیکن اس نے مخدوم جہانیاں کی سفارش پر انہیں بالکل معاف کر دیا اور کوئی سزا نہ دی۔^(۲۵)

ز۔ حکمرانوں سے خلق خدا کے مسائل حل کرانے کا سیاسی کردار:

قطب الاقطاب حضرت رکن الدین ملتانی کا معمول تھا کہ وہ جب علاء الدین خلجی کے بیٹے شہنشاہ ہند قطب الدین کے پاس جاتے تو راستہ میں اپنی سواری ”تخت رواں“ کو ٹھہراتے چلتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ان کی سواری میں ڈال دیں۔ بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے۔ شاہی محل پہنچ کر دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے۔ تیسرے دروازہ کے قریب جو سلطان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوتا۔ وہ اتر جاتے۔ سلطان بڑے ادب سے دربار میں لے جا کر بٹھاتا اور خود مؤدب دوزانو

ہو کر ان کے سامنے بیٹھتا۔ اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے وہ ہر ایک درخواست کو غور سے پڑھتا اور ان کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا۔ حضرت شیخ رکن الدین واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے۔^(۲۷)

آپ جب ملتان سے دہلی جانے کا ارادہ فرماتے تو دہلی کے شہر میں اعلان کر دیا جاتا کہ جس شخص کو بادشاہ سے کچھ عرض کرنا مقصود ہو تو وہ درخواست لکھ کر حضرت شاہ رکن عالم کے پیش کر دے۔ لہذا آپ کی سواری کے ساتھ ساتھ عرض مند درخواست پیش کرنے کی تحریک شروع کر دیتے اور آپ درخواستیں اکٹھی کر کے سلطان کے پاس لے جاتے اور دہلی سے ہی رعایا کی تکالیف کے بارے میں احکامات جاری کرتے اور اپنی موجودگی میں ہی تمام شکایات دور کراتے۔^(۲۸)

خلق خدا کے مسائل حل کرنے کا ایک عظیم واقعہ:

حضرت مخدوم جہانیاں جس ہمت و استقلال کے ساتھ دوسری سہروردی بزرگوں کی طرح اپنے اثر و رسوخ کو حاجت مندوں کی مطلب براری کے لیے صرف کرتے تھے۔ اس کی سیر العارفین میں ایک دلچسپ مثال درج ہے۔ شیخ جمالی لکھتے ہیں کہ فیروز تغلق کا وزیر خان جہاں تلنگی جو سندھ کا حکمران تھا تھا، شروع میں حضرت کا مخالف تھا۔

ایک دفعہ سندھ کے حکمران خان جہاں نے ایک سید کے بیٹے کو کسی بات پر قید کر لیا۔ اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس پہنچا اور آپ خان جہاں کے پاس سفارش کے لیے گئے۔ لیکن اس نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ نہ میں شیخ سے ملوں گا اور نہ ان کی سفارش مانوں گا۔ اس سے کہہ دو کہ میرے دروازے پر نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ انیس ۱۹ مرتبہ خان جہاں کے دروازے پر گئے اور ہر دفعہ یہی جواب سنا۔ انیسویں مرتبہ خان نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اے سید کیا تم میں ذرہ بھر غیرت نہیں کہ میں نے اتنی مرتبہ جواب دیا اور تم پھر بھی چلے آتے ہو۔ حضرت مخدوم جہانیاں نے جواب دیا میں جتنی مرتبہ آتا ہوں اُس کا ثواب مجھے مل جاتا ہے لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہاری قید سے رہائی دلاؤں تاکہ اس کا نیک اجر تمہیں بھی ملے۔ یہ سن کر خان جہاں کا دل نرم ہوا۔ وہ باہر آیا حضرت شیخ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہوا اور ان کے ارشاد کی تکمیل کی۔^(۲۹)

۱۵۔ صوفیاء برصغیر کی رواداری

برصغیر میں صوفیاء کرام جو علوم شرعیہ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ تھے کی سب سے بڑی خوبی رواداری، خوش اخلاقی اور تمام انسانوں سے قلبی محبت ہوتی تھی۔ وہ لوگوں کے طعن و تشنیع، ظلم و ستم اور ان کی زیادتیوں کو برداشت کر کے ان کے ساتھ محبت پیار اور اخوت کا سلوک کرتے تھے تاکہ تمام بنی نوع انسان راہ راست پر آجائے۔ اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری معروف حضرت داتا گنج بخش اپنا واقعہ اس طرح نقل کرتے ہیں:

”ایک مرتبہ مجھے ایک علمی مسئلہ کو حل کرنے میں بہت دشواری پیش آئی۔ اس وقت میں سفر کی حالت میں تھا اور بغداد کے قریب کسی خانقاہ میں رہ رہا تھا میں وہاں سے اٹھا اور سفر خراسان کا قصد کیا۔ دوران سفر میں ایک رات کس نامی ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی۔ اس میں صوفی نما لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ اس وقت

میرے بدن پر کھر دردی بوسیدہ گڈری تھی اور اہل رسم (صوفیوں) کے سامان میں سے سوائے لاٹھی اور ٹاٹ کے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اس لباس اور سامان کی وجہ سے میں اس جماعت کی نگاہ میں سخت حقیر معلوم ہوا۔ کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آپس میں رسم کے طور پر کہتے تھے کہ یہ شخص ہماری جنس کا نہیں اور حق بات وہی تھی جو وہ کہہ رہے تھے کہ میں ان کی جنس میں سے نہ تھا۔ لیکن اس رات مجھے وہاں مجبوراً رہنا تھا۔ مجھے تو انہوں نے ایک بالاخانے پر بٹھادیا اور خود مجھ سے اوپر والے بالاخانے پر چڑھ گئے میں فرش پر بیٹھتا تھا۔ انہوں نے سوکھی باسی (پھپھوندی لگی ہوئی) روٹی میرے آگے رکھی اور جو کھانا وہ کھا رہے تھے ان کی بو مجھے آرہی تھی اور وہ بالاخانے پر سے میرے ساتھ طنز آمیز باتیں کر رہے تھے۔ جب کھانے سے وہ فارغ ہوئے تو اپنی خوش طبعی اور میری حقارت کے لیے خربوزہ کھا کر اس کے چھلکے مجھ پر پھینکتے جاتے تھے اور میں دل میں کہتا تھا کہ بار خدا یا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تیرے دوستوں کا لباس رکھتے ہیں تو کبھی ان سے یہ ذلت نہ برداشت کرتا اور جس قدر اس کا طعنہ مجھ پر زیادہ ہوتا تھا۔ میں دل میں اس پر خوش ہوتا تھا یہاں تک کہ اس ذلت کا بار اٹھانے سے وہ مشکل مسئلہ مجھ پر حل ہو گیا۔“ (۳۰)

مشائخ ہند میں حضرت چراغ دہلی جس پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ ان کے حالات اور کارناموں سے ہو گیا ہوگا۔ لیکن افسوس انہیں فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی کے بعد بہت دن جینا نصیب نہ ہوا۔ سیر العارفین میں شیخ جمالی لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ بعد ادائے نماز ظہر حجرہ خاص میں تشریف رکھتے تھے اور ورود و وظائف میں مشغول تھے۔ آپ کے دروازے پر کوئی دربان معین نہ تھا۔ فقط آپ کا خاہر زادہ شیخ زین الدین علی، خادم خاص کی طرح آپ کے پاس رہتا، لیکن ورود و وظائف کے وقت وہ کبھی حاضر ہوتا اور کبھی ادھر ادھر چلا جاتا۔ آپ وظیفہ خوانی میں مشغول تھے کہ ترابی یا تراب نام کا ایک قلندر آیا اور اس نے چھری سے آپ کے کوئی گیارہ زخم لگائے۔ آپ عبادت میں مشغول تھے، اس لیے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ لیکن جب حجرے کی نالی سے خون آلودہ پانی بہنا شروع ہوا تو بعض مریدوں کو جو باہر تھے، تشویش پیدا ہوئی۔ اندر آئے تو دیکھا کہ وہ نابکار چھری چلا رہا ہے اور حضرت اف نہیں کرتے۔ انہوں نے چاہا کہ قلندر کو اس کے کیے کی سزا دیں۔ لیکن حضرت مزاحم ہوئے بلکہ اپنے منتخب مریدوں سے اس امر کا عہد لیا کہ قلندر سے کسی طرح کا مواخذہ نہ کریں گے اور قلندر کو بیس تنگے عطا کیے اور بہت عذر و معذرت کے بعد رخصت کیا۔ (۳۱)

نتائج مقالہ:

ان تمام سطور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صوفیاء برصغیر اس خطہ میں اپنی آمد سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک زندگی کی تمام معاملات میں بھرپور علمی، سیاسی و سماجی کردار ادا کرتے رہے۔ ان کے ہاتھ میں رسول اکرم ؐ کی اتباع کا علم اور شریعت اسلامی کی پیروی کا جھنڈا ہوتا تھا۔ دین کی تبلیغ ان کا مقصد حیات، رواداری اور خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت ان کا شعار، حالات و زمانہ کی تبدیلی کے مطابق اسلام کی سربلندی کی خاطر کوشش ان کا اوڑھنا بچھونا اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے مختلف طریق کار اختیار کرنا ان کا مقصد زندگی ہوتا

تھا۔ یہ تمام لوگ اپنے وقت کے بہترین علماء، مدبر، مفکر، بیدار مغز لیڈر، حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے، عوام الناس میں گہرے اثر و نفوذ کے حامل اور بیک وقت ہمہ جہتی اور کثیر الجہتی کردار ادا کرنے والے قائدین اور عظیم ترین انسانوں میں سے تھے۔ یہ تمام صوفیاء کرام قطعی طور پر خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات کرنے والے نہیں تھے بلکہ انہی کی مساعی اور قابل قدر علمی سماجی، فلاحی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی کردار کی وجہ سے برصغیر میں مسلمان اقلیت ہونے کے باوجود ایک ہزار سال تک حکمران رہے، اس آفتابِ تصوف کے غروب ہوتے ہی برصغیر سے مسلمانوں کا اقتدار بھی غروب ہو گیا اور اپنا دامن سمیٹ گیا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دور حاضر میں ان اولیاء کرام کی میراث کے حامل اکثر گدی نشین یا صاحبزادگان دراصل زانگوں کے ہیں قبضہ میں عقابوں کے نشیمن کے مصداق ہیں، انہیں اپنے آباء سے نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس دور میں تو اب اس بات کی کوشش بھی ہو رہی ہے کہ غیر اسلامی تصوف جو دراصل غارت گر اسلام ہے کو رواج دیا جائے۔ اس سلسلہ میں بین الاقوامی اسلام دشمن قوتیں بھی پورے زور و شور سے سرگرم عمل ہیں۔ ان حالات میں دور حاضر کے علماء کرام اور سکالر حضرات کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اسلامی تحریک تصوف کا احیاء کریں اخوت، محبت و رواداری اور بنی نوع انسان سے الفت کے درس کو مسلمانوں میں عام کریں۔ مزید صوفیاء برصغیر کے کردار کو مسلمانوں میں اجاگر کر کے دنیا میں دوبارہ حقیقی اسلامی حکومت کو قائم کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں جو اس خطہ کے صوفیاء کا مقصد اولیں تھا۔ (واللہ اعلم)

سفارشات:

۱. صوفیاء کرام اپنے دور کے بھاری بھر کم علمی، سیاسی، سماجی اور معاشی امور کی ماہر شخصیات تھی لہذا دور حاضر کے خانقاہی نظام کو دوبارہ ان بنیادوں پر تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

۲. علامہ اقبال کا قول ہے کہ "نکل کر خانقاہوں سے، ادا کر رسم شبیری" کے مصداق دور حاضر کے صوفی علماء کرام امام امت کی اصلاح اپنے علاقے کے حکمتوں کو پسند و نصح اور عوام الناس کے فلاح و بہبود کے لیے اپنے مدارس اور خانقاہوں سے نکل کر بھرپور کردار ادا کریں تاکہ دوبارہ برصغیر میں اسلامی روایات کا دور دورہ ہو۔

۳. برصغیر میں صوفیاء کرام سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے تمام جانشین، گدی نشین اور خلفاء دور حاضر میں تصوف کے اندر غیر اسلامی روایات کو ختم کرنے کی پوری کوشش کریں اور اس سلسلے کے ابتدائی شیوخ سے کے حالات زندگی اور ان کی تعلیمات کو اپنے لئے رہنما بنائیں۔

حوالہ جات:

^۱ محمد اکرام شیخ آب کوثر۔ لاہور ادارہ ثقافت اسلامی۔ ۱۹۷۹ء، ص ۱۹۰

^۲ محمد نور بخش شیخ۔ سلسلہ الذہب، ص ۱۱۲

^۳ فلاحی عبید اللہ تاریخ دعوت و جہاد۔ ص ۸۰، کراچی سنز: ۱۹۹۶ء۔

^۴ عظیمی۔ احسان و تصوف، ص ۸۸۱، ملتان جامعہ زکریا، شعبہ علوم اسلامیہ: ۲۰۰۴ء۔

- ۵ فرخ آبادی۔ محمد سلیمان۔ کربلا سے بالاکوٹ تک لاہور۔ مطبع قمر سعید، ص ۱۲۱
- ۶ فلاحی عبید اللہ تاریخ دعوت و جہاد۔ ص ۸۲
- ۷ عظیمی، احسان و تصوف، ص ۱۸۸
- ۸ ایضاً، ص ۱۹۱
- ۹ ایضاً، ص ۱۹۲
- ۱۰ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۳۶۹
- ۱۱ آرٹلڈاکٹر۔ تبلیغ اسلام بحوالہ تذکرہ مجدد الف ثانی مصنفہ۔ منظور نعمانی مولانا لکھنؤ، مکتبۃ الفرقان۔ ۱۹۷۰ ص ۳۰۹
- ۱۲ انسائیکلو پیڈیا برائے مذہب و اخلاق بحوالہ کتاب سابقہ۔ ص ۳۰۹
- ۱۳ فلاح عبید اللہ تاریخ دعوت و جہاد۔ ص ۷۶
- ۱۴ مودودی تصوف تعمیر و سیرت۔ ص ۱۰۳-۱۰۵۔ (منتخب تحریریں: مؤلفہ عاصم نعمانی)، لاہور۔ اسلامک پبلشرز: ۱۹۸۰ء۔
- ۱۵ ابن خلدون (۸۰۸) م۔ مقدمہ ابن خلدون۔ طبع بیروت۔ خلاصہ صفحہ ۱۱۳۔ مزید گوہر رحمان مولانا۔ اسلامی سیاست۔ مردان دارالعلوم تفہیم القرآن ۱۹۸۲۔ ص ۱۹
- ۱۶ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مکتوبات شیخ عبدالحق مترجمہ قاضی احمد عبدالصمد۔ کراچی۔ ادارہ معارف اسلامی۔ (ت۔ن) ۵۴۱
- ۱۷ برنی ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مترجم جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن۔ (ت۔ن) ص ۲۵
- ۱۸ مکتوبات امام ربانی۔ مترجمہ قاضی عالم دین۔ حیدر آباد دکن۔ المجتہد العلمیہ (ت۔ن) ص ۲۶
- ۱۹ فلاحی، عبید اللہ۔ تاریخ دعوت و جہاد۔ ص ۹۱
- ۲۰ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۲۵۸
- ۲۱ برنی ضیاء الدین۔ تاریخ فیروز شاہی۔ ص ۴۱-۴۲
- ۲۲ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۱۳۰
- ۲۳ محمد منظور خان جاوید۔ تاجدار اولیاء۔ ملتان۔ عزیز پرنٹنگ پریس (ت۔ن) ص ۶۲
- ۲۴ امتیاز حسین شاہ۔ تذکرہ اولیاء ملتان، ص: ۶۰۔
- ۲۵ حوالہ سابقہ۔ ص ۲۵
- ۲۶ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر، ص ۲۸۷-۲۸۸
- ۲۷ امتیاز حسین شاہ۔ تذکرہ اولیاء ملتان۔ ص ۵۵
- ۲۸ محمد منظور خان جاوید۔ تاجدار اولیاء۔ ص ۶۲
- ۲۹ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۲۸۱
- ۳۰ گنج بخش داتا۔ کشف المحجوب۔ ص ۱۰۴
- ۳۱ محمد اکرام شیخ۔ آب کوثر۔ ص ۴۲۱